اقسام قرآن

مولانا سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری اُستاذ جامعہ دارالسلام عمرآباد مدراس

سورۂ یونس سورۂ یونس مکی ہے اور عموماً مکی سورتوں میں اسلامی عقائد کے اثبات پر زور دیا گیا ہے اور جس قدر کافروں کی طرف سے اعتراضات ہوئے ہیں ان کو رفع کر دیا گیا ہے چنانچہ اصول میں سے توحید باری، رسالتِ محمدی اور مجازاتِ اعمال پر خاص روشنی ڈالی ہے لیکن سب سے زیادہ قرآن مجید کی حقانیت ثابت کرنا مطلوب ہے۔ اس صورت کے آغاز و انجام پر غور کرنے سے قرآن کریم کی طرف دعوت صاف طور پر مستفاد ہو جاتی ہے چونکہ جب قرآن مجید کی پیش کردہ دعوت حق کی حقانیت تسلیم کر لی جائیگی تو اسکے بعد اس کے پیش کردہ حقائق خواہ مبدار کے متعلق ہوں، خواہ معاد کے، خود بخود سمجھ میں آ جائیں گے غرضیکہ اس ضمن میں اعمال انسانی کی جزا و سزا اور قیامت کے واقع ہونے پر کافروں نے تعجب کرتے ہوئے تمسخر آمیز لہجہ میں سوال کیا تھا جس کا جواب ایک عجیب بلیغ انداز میں دیا جاتا ہے۔

وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ط قُلْ إِي	(اے پیغمبر اسلام) اور تم سے خبر (قیامت کے متعلق)
وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ	دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ بات حق ہے؟ تم کہدو میرے رب
(یونس۔ ۵ رکوع)	کی قسم یہ بالکل سچ ہے اور تم لوگ اُسکو تھکا نہ سکوگے۔

آیت مذکورہ میں مرنے کے بعد زندہ ہو کر اُٹھنے اور مجازاتِ اعمال کے ممکن ہونے پر ربوبیت کی قسم کھائی گئی ہے تو یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ربوبیت کی صفت اس پر کیسے شاہد بن رہی ہے اور ان دونوں میں کیا ربط و تعلق ہے۔

باری تعالیٰ کی صفاتِ قدیمہ میں سے ربوبیت بھی ہے جس پر سارا نظامِ کائنات چل رہا ہے اور اسی شانِ ربوبیت کا اقتضا ہے کہ انسان کی قوتِ نظری و قوتِ عملی تدریجی طور پر ترقی کرتے کرتے اپنے کمال کے مرتبوں پر پہنچ جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک حصولِ کمال اور ترقیات کا کوئی بہترین نتیجہ یا ثمرہ مرتب ہونے کی اُمید نہیں ہوتی اس وقت تک کوئی انسان اعمال و افعال کی جدو جہد اور جستجو میں مصروف و منہمک نہیں ہوتا اور علاوہ ازیں جس خدائے قدوس نے مادی کائنات کا نظامِ تربیت مقرر فرما دیا ہو ممکن نہیں کہ روحانی کائنات کی تربیت کے واسطے کوئی انتظام نہ فرمایا ہو اسی لئے اس نے انسانی دنیا میں اپنے پیغامبر اور رسول بھیجے اور ان پر آسمانی کتابیں، الٰہی صحیفے اُتارے تاکہ انبیائے کرام عالمِ انسانی کی معادی رہنمائی کریں اور انسانوں کی روحانی قوتوں کو اُبھاریں جن پر دونوں عالم کی سعادتیں اور برکتیں موقوف ہیں۔ بہرکیف روحانی و معنوی تربیت کے نظامِ الٰہی کا سلسلہ جس کا آغاز حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ رسالت میں آکر اپنے کمال کے درجوں پر پہونچ گیا جس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ربوبیت خود ہی دوسرے آنے والے روحانی عالم پر شہادت دے رہی ہے اور یہاں "قُلْ اِیْ وَرَبِّیْ" میں اس صفتِ ربوبیت کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اضافت کی گئی ہے جس سے آپ کی رسالت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ آپ کا اس قدر اہتمام سے تربیت کرنا اور دشمنوں کے سارے داؤ پیچ غلط کر دکھانا محض اس لئے تھا کہ لوگوں کو آیندہ آنے والی مجازاتی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی تجویزیں بتلائیں چنانچہ جب آپ تبلیغ پر پہلے پہل مامور ہوئے تو آپ نے پہاڑی پر آلِ غالب کے سامنے اسی حقیقت کو دہرایا ہے کہ ایک ایسا عالم آرہا ہے جہاں اس جسمانی عالم کے اچھے بُرے کئے ہوئے عملوں کی باز پُرس ہوگی جس کے لئے تمھیں ساز و سامان تیار کر لینا ضروری ہے اور اسی حقیقتِ ثابتہ کو قرآن عزیز نے اور چند مقامات پر بھی پیش کیا ہے چنانچہ سورۂ ذاریات میں جزائے اعمال، بعث بعد الموت اور معادِ جسمانی کے ثابت کرنے کے لئے ربوبیت کے مختلف مناظر و مظاہر سے استشہاد کیا گیا ہے۔ اور یہ بتلایا

گیا ہے کہ آسمان وزمین اور عالم آفاقی وانفسی کے نشان ہائے قدرت صانع عالم کے وجود پر دلالت کر رہی ہیں اور شہادت دے رہی ہیں۔

وَفِي الْأَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (ذاریات)

اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے (ہماری قدرت کی بہت ساری) نشانیاں (موجود) ہیں اور خود تمہارے نفوس کے اندر (بھی)، پس کیوں نہیں (چشم بصیرت، عبرت سے) دیکھتے!

پھر اس کے بعد جزائے اعمال کے ثبوت میں اپنی شان ربوبیت کی قسم کھائی ہے۔

فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ (ذاریات)

تو آسمان وزمین کے پروردگار کی قسم کہ یقیناً یہ بات حق ہے جیسا کہ تم بولتے ہو۔

یعنی خدائے تعالیٰ کا وعدہ ہو کر رہے گا جیسے تمہیں اپنے قوت گویائی کے موجود ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا اسی طرح خدا کے وعدہ میں بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور کائنات علوی وسفلی کی ربوبیت عامہ جس کے تحت وہ کارفرما ہے۔ اس امر کو صاف تبلا رہی ہے کہ یہ کارخانہ تربیت یونہی بیکار اور بیفائدہ نہیں ہو جائے گا بلکہ یقیناً دار وگیر ہو گی چنانچہ اس سورت کی اگلی آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہان نوازی اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بدکاری کا قصہ مذکور ہوتا ہے جس سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اخروی مجازات دینے والا ہے جس کا کبھی کبھی ادنیٰ سا نمونہ دنیا میں بھی دکھا دیتا ہے کہ طاعت شعاروں اور وفادار بندوں کو جزائے خیر اور نافرمان انسانوں کو اُن کے کرتوتوں کے بموجب سزا مل جاتی ہے بعینہٖ اسی طرز پر سورہ سبا میں بھی وقوع قیامت پر اہل کفر کا انکار نقل کر کے جواب دیا گیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ (سبا۔۱)

اور کافروں نے کہہ دیا کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی (تو) تم کہہ دو کیوں نہیں میرے پروردگار کی قسم ضرور تم پر قیامت آئے گی۔

یعنی ایسے حکیم مطلق کی نسبت جس کی حکمت بالغہ نے کائنات کی تربیت کا تکفل کر لیا ہے کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ اتنا سارا نظام بے نتیجہ کر دے گا اور اچھوں کو اچھی جزا اور بروں کو بری سزا نہ ہوگی کیونکہ خود ہی فرما چکا ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ. فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (المومنون)

کیا تم نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ تم کو ہم نے عبث اور بے فائدہ پیدا کیا ہے۔ اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے بادشاہ برحق خدا اس سے بہت اعلیٰ وارفع ہے (کہ کوئی عبث کام اس سے صادر ہو جائے)

دوسری جگہ ارشاد باری ہوتا ہے۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (القیامہ - ۲)

کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یونہی بے کار چھوڑ دیا جائے گا۔

ایک اور مقام پر یوں صراحت فرمائی ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ. مَا خَلَقْنٰهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (دخان - ۱)

ہم نے آسمان و زمین اور وہ ساری چیزیں جو ان کے درمیان موجود ہیں کھیل کے طور پر نہیں پیدا کیں۔ ہم نے تو ان کو ٹھیک ٹھیک بنایا ہے۔ مگر بہت سارے لوگ (اس سے) بے خبر ہیں۔

اسی طرح ایک آیت میں یوں جتلایا ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَاِنَّ كَثِيْرًا

کیا ان لوگوں نے اپنے نفوس کے اندر غور کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور دونوں کے درمیان کی چیزوں کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے اور ان کے لئے ایک مدت مقرر ہے

وَمِنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ — اور بہت سے انسان ہیں جو اپنے رب سے ملنے سے انکار کرنے والے ہیں۔ (روم - ۱)

غرضیکہ آیات مذکورہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کارخانۂ عالم کا بغیر کسی نتیجہ کے فنا ہو جانا بالکل مصلحت اور حکمت کے خلاف ہوگا جو شانِ الٰہی سے بعید ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ تغابن میں یہ فرمانے کے بعد کہ تم کو پچھلی قوموں کی بربادیوں اور ہلاکتوں کے حالات و واقعات معلوم نہیں ہوئے جو دعوتِ حقہ سے اعتراض و انکار کرنے کے باعث دنیا ہی میں قانونِ مجازات کی زد میں آکر تباہ ہو چکیں، پھر فرمایا ہے۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا — کافروں نے دعویٰ کیا ہے کہ ہرگز ان کو کوئی (مرنے کے
قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ — بعد دوبارہ زندہ کر کے) نہ اٹھائے گا تو تم کہہ دو کیوں
بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ — نہیں، میرے رب کی قسم تم بیشک اُٹھائے جاؤ گے اور
(تغابن - ۲) — جتلائے جائیں گے تم پر (وہ اعمال) جو تم نے کئے اور یہ اللہ
تعالیٰ پر آسان ہے (کوئی دشوار نہیں)

اس مقام پر بھی ربوبیت کی قسم کھائی گئی ہے یعنی اس کو بعث اور اعمال کی جواب دہی پر گواہ بنایا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ مریم میں فرمایا ہے کہ کافر آدمی مرنے کے بعد اپنے زندہ ہونے کو بعید از عقل سمجھتا ہے تو اس کو اپنی حالت یاد کرنی چاہئے۔ جب کہ وہ کوئی چیز نہ تھا ہم نے اس کو بنایا۔ یہ فرمانے کے بعد حشر اجساد پر قسم کھائی جاتی ہے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ — پس تمہارے پروردگار کی قسم ہی ہم اٹھائیں گے (قیامت میں)
لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا — ان منکروں کو اور (ان کے) شیطانوں کو پھر ہم انکو (اپنے)
(مریم - ۵) — سامنے حاضر کریں گے دوزخ کے گرد گھٹنوں پر گرے ہوئے

اس جگہ بھی ربوبیت مقسم بہ قرار دی گئی ہے تاکہ مقسم علیہ حشر ونشر اور اعمال کے محاسبہ پر استشہاد کیا جا سکے۔ سورۂ حجر میں اسی طرح فرمایا گیا ہے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ — پس تمہارے پروردگار کی قسم البتہ ضرور ان تمام سے ہم بازپرس کرینگے ان اعمال کی بابت جو وہ کرتے رہے (حجر)

ان دونوں مقامات پر بھی صفت ربوبیت کی اضافت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی طرف کی گئی ہے جن کی پرورش ایک انوکھے انداز پر ہوئی۔ ہم پہلے اس کے متعلق عرض کر چکے ہیں۔

سورۂ ذاریات یہ سورۃ بھی مکہ ہی میں نازل ہوئی ہے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور اکثر صحابہؓ و تابعین کا یہی قول ہے اور اس سورت کا موضوع بحث" اس کے آغاز و انجام پر غور و فکر کرنے سے یہ صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں ایک خاص خصوصیت کے ساتھ "مجازاتِ اعمال،، کے یقینی ہونے پر زور دیا گیا ہے چنانچہ ابتدائے سورت میں ارشاد فرمایا جاتا ہے۔

إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ — (اے انسانو!) تم سے جس (مجازات اعمال) کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور بیشک جزا ہونیوالی ہے

پھر خاتمہ سورت میں اسی ثابت شدہ حقیقت کا دوسرے لفظوں میں اعادہ کیا گیا ہے۔

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ — پس اُن منکروں کے لئے اس (جزائے اعمال کے) دن کے آنے پر بڑی خرابی ہوگی جس کا ان (لوگوں) سے وعدہ ہو چکا ہے۔

اور اس کے علاوہ اس صورت مبارکہ میں پچھلے انبیاء و مرسلین کے چند واقعات جستہ جستہ پیش کئے گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ قصہ مذکور ہے کہ ان کے پاس خدائے تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے آئے اور خداوند قدوس کی طرف سے ان کو یہ خوشخبری دی کہ ان کے ہاں ایک فرزند ارجمند پیدا ہوگا اور انھیں فرشتوں نے

یہ بھی اطلاع دی کہ حضرت لوطؑ علیہ السلام کی قوم اپنی بدکرداری کے باعث ہلاک کر دی جائے گی اور ہم اس کی بربادی کے لئے روانہ کئے گئے ہیں ہاں البتہ جو اس قوم میں ایمان والے ہیں ان کو اس دردناک عذاب سے بچا لیا جائے گا پھر اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ آتا ہے کہ انھوں نے فرعون اور اہل فرعون کو دعوت الہٰی دی اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا مگر فرعون نے "دعوت موسوی" کو اپنے جبر و تشدد اور سخت گیر پالیسی سے کچلنا چاہا لیکن نتیجہ برعکس نکلا اور خود اپنے ہواخواہوں سمیت بحیرۂ قلزم کی ایک کھاڑی میں غرق ہو کر تباہ و برباد ہو گیا۔

بعد ازاں قوم عاد و ثمود کی ہلاکت و بربادی کی داستانیں دُہرائی گئی ہیں، اور ان واقعات کے اعادہ سے مقصود یہ ہے کہ اعمال انسانی کی سزا و جزا کے فطری عقیدہ کے منکرین ان کو سن کر سمجھ جائیں اور قیاس کر لیں ؎

گندم از گندم بروید جو ز جو　　از مکافاتِ عمل غافل مشو

اور اس چیز کو ذہن نشین کر لیں کہ گذشتہ قوموں کی بربادیاں اور باجبروت بادشاہوں کی ہلاکتیں گویا ایک دھندلا سا نمونہ ہے اس مجازاتِ اعمال کا جو "یوم الدین" میں ہونے والی ہے۔

الغرض بہت سے ایسے شواہد ہیں جن کے باعث اس سورت کی بحث و نظر کا عنوان، اعمال انسانی کے لیے جزا و سزا کا یقینی اور قطعی ہونا معلوم ہو رہا ہے۔

اگرچہ اس عنوان پر قرآن عزیز نے جابجا روشنی ڈالی ہے مگر ہر موقعہ پر ایک خاص طرز اور مخصوص انداز بیان اختیار کیا ہے جس کی وجہ سے تکرار نہیں معلوم ہوتی چنانچہ اس سورت ذاریات میں اثبات مجازات کے لئے چند قسمیں کھائی جاتی ہیں۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا فَالْحٰمِلٰتِ　　قسم ان کی جو غبار اڑاتی ہیں، پھر ان کی جو بوجھ اٹھاتی
وِقْرًا فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا فَالْمُقَسِّمٰتِ　　ہیں، پھر ان کی جو نرمی سے چلتی ہیں، پھر ان کی جو تقسیم

اَمْرًا اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ وَاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ (ذاریات)

امر کرتی ہیں، تم سے جس کا وعدہ کیا جارہا ہے وہ سچ ہے اور بیشک جزا واقع ہونے والی ہے۔

ان مقامات پر پروردگار عالم نے چند چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں پہلی ذاریات، دوسری حاملات، تیسری جاریات، چوتھی مقسمات۔

(۱) "ذاریات" سے کیا مراد ہے اس کے متعلق علماء تفسیر کے متعدد اقوال ہیں۔

(الف) وہ ہوائیں مراد ہیں جو گرد و غبار اڑاتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام میں فرمایا ہے "تذروہ الریاح"، (ب) یا گردش کرنے والے ستارے مراد ہیں اس صورت میں ذاریات کا اشتقاق "ذرا۔ یذرو" سے ہوگا جس کے معنی جلدی کرنے کے آتے ہیں (ج) وہ فرشتے مراد ہیں جو عالم تکوین کی تدبیریں خدائے تعالیٰ کے حکم سے مشغول و منہمک ہیں (د) یہاں "ذاریات" سے پہلے لفظ "رب" محذوف ہے یعنی ذاریات کا پروردگار مراد ہے۔

لیکن یہ قول قرین صواب نہیں چونکہ یہ اس امر پر مبنی ہے کہ مقسم بہ میں فضیلت ہونی چاہئے اور ہم اس کے متعلق اپنے مضمون سابق میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال چکے ہیں کہ مقسم بہ میں کسی فضیلت و برتری کی ضرورت نہیں بلکہ شہادت ہونی چاہئے۔[۱]

یہاں ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ یہ صفتیں الگ الگ ایک ایک موصوف کی ہیں یا ایک ہی موصوف کی یہ چاروں صفتیں ہیں۔ دونوں توجیہیں کی گئی ہیں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ ذاریات سے ہوائیں، حاملات سے بادل، جاریات سے کشتیاں، اور مقسمات سے وہ فرشتے مراد ہیں جو کائنات میں تقسیم رزق کا کام کرتے ہیں دوسری توجیہ یہ ہے کہ چاروں سے ایک ہی چیز مراد ہے یعنی ذاریات سے وہ ہوائیں مراد ہیں جن سے بادل نمودار ہوتے ہیں اور حاملات سے وہ ہوائیں جو ان بادلوں کو اٹھائے پھرتی ہیں جن سے بخارات پیدا ہوتے ہیں اور وہی بخارات اوپر کو چڑھ کر بارش بن جاتے

[۱] یہ مضمون برہان میں نہیں غالباً "ترجمان القرآن" میں شائع ہوا ہے۔

ہیں اور جاریات سے بادلوں کے ساتھ ساتھ چلنے والی ہوائیں مقصود ہیں اور مقسمات وہ ہوائیں ہیں جن کے ذریعہ بادل زمین کے مختلف حصّوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ان آیات کریمہ میں قابل لحاظ امر یہ ہے کہ " فا تعقیب " واقع ہوئی ہے جس سے معلوم ہورہا ہے کہ ایک ہی موصوف کے لئے یہ چاروں صفتیں لائی گئی ہیں یعنی ان چاروں سے مراد " ریاح " ہوائیں ہیں اور مقسم بہ " ریاح " ہے اور مقسم علیہ " انما توعدون لصادق وان الدین لواقع " ہے کیونکہ ہواؤں کا چلنا اور ان کا گرد وغبار اڑانا اور بادلوں کو اٹھائے پھرنا اور فضا میں خراماں خراماں سبک رفتاری کے ساتھ جاری ہونا اور بارش کو مختلف زمین کے حصّوں پر پھیلا دینا یہ سب " ناموس جاذبیت " کے مخالف ہے اس لئے کہ جو چیزیں بھی زمین میں موجود ہیں وہ ان کی منجذب ہیں لیکن اس کے باوجود ہواؤں کا یہاں عجیب وغریب تصرف بتلایا گیا ہے اور یہ ہواؤں کا تصرف (سیر کواکب) ستاروں کی چالوں کے تابع ہے۔ کیونکہ ان ستاروں کا اور آفتاب کا " جریان " (جاری ہونا) کائنات میں موثر ہے اور یہ تمام ستاروں کی اور چاند اور سورج کی گردش ایک " نظام محکم " کے ساتھ ہورہی ہے۔ جو خدائے عزوجل کی تدبیر وحکمت پر دلالت کررہی ہے۔ اس لئے کہ گرد وغبار کا اڑنا، بادلوں کا اٹھائے پھرنا اور پھر انکا جاری ہوکر پھیل جانا " نظام سیر کواکب " کے تابع ہے اور یہ نظام " نفوس عالیہ " سے مرتبط ہے اور یہی " نفوس قدسیہ " وہ ملائکہ ہیں جو عالم ارضی کی تدبیر کرتے ہیں " وان الی ربک المنتہیٰ " پس نہ ہوائیں گرد وغبار اڑاتی ہیں، نہ بادلوں کو اٹھائے پھرتی ہیں اور نہ بارش کو مختلف زمین کے خطوں پر پھیلاتی ہیں۔ مگر اس حرکت فلکی کی بنا پر جو ملائکہ مدبرات امور سے وابستہ ہے یہ سب کام ہوتے ہیں۔

پس اس صورت میں ان متعدد افعال میں کوئی تعارض نہیں چونکہ اسباب ومسببات کا ایک دوسرے کے ساتھ شدید ارتباط وتعلق ہے اور ہوسکتا ہے کہ ایک شے کے کئی اسباب ہوں، ظاہری اسباب کچھ اور ہوں اور باطنی اسباب کچھ الگ ہوں اور اسی طرح تمام علوم عقلیہ اور علوم اسلامیہ کا حال ہے کہ درحقیقت ان میں کوئی تعارض ہی نہیں اگر کسی خارجی دلیل سے کوئی سبب کسی چیز کا ثابت ہوجائے اور قرآن نے اس کا کوئی اور

سبب بتلایا ہو تو کیوں نہیں ہو سکتا کہ ہم ان دونوں کو سبب قرار دیں پہلا سبب باطنی ہو اور دوسرا اسبب ظاہری

غرض یہ تمام امور ند کورہ جن کی قسم کھائی گئی ہے اپنے محکم نظام کے ذریعہ زبان حال سے یہ شہادت دے

رہے ہیں کہ ان کو بے فائدہ یونہی بیکار نہیں پیدا کیا گیا ہے

جب اس نظام کائنات کو بے کار نہیں بنایا گیا تو کیونکر ممکن ہے کہ انسان جو تمام کائنات میں اشرف و اعلیٰ بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ یونہی بے کار چھوڑ دیا جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ یقیناً ایک ایسا وقت مقرر کیا جائے جس میں اعمال انسانی کی باز پرس ہو اور اچھوں کو اچھا بدلہ اور بروں کو کافی سزا دی جائے۔ اسی لئے یوم الدین کو مقرر کیا گیا ہے اور قیامت ضرور آئے گی اگر تم کو اس وقوع پر شبہ ہے تو کائنات کے نظامِ محکم پر غور کرو خود سمجھ میں آ جائے گا "

سورۂ طور | یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں بھی کی سورتوں کے طرز بیان کے مطابق اصول اسلامی میں سے مسئلہ جزاء اعمال پر روشنی ڈالی گئی ہے اور خصوصیت کے ساتھ یہ حقیقت کبریٰ ثابت کی گئی ہے کہ اعمال انسانی کی جزا و سزا ایک یقینی امر ہے اور آخرت سے پہلے دنیا میں بھی اس کا دھندلا سا نمونہ دکھلا دیا جاتا ہے تاکہ منکرین مجازات پر حجت قائم ہو جائے چنانچہ سورۃ کا آغاز چند قسموں سے کیا جاتا ہے۔

وَالطُّوْرِ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ کوہ طور کی قسم، اور کشادہ ورق میں لکھی ہوئی کتاب کی

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ قسم، اور آباد گھر کی قسم، اور اونچی چھت کی قسم اور جوش

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مارنے والے سمندر کی قسم بےشک تمہارے پروردگار کا

مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ (سورہ طور رکوع ۱) عذاب ہو کر رہے گا کوئی اس کو روک نہیں سکے گا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کی قسم کھائی ہے طور، لکھی ہوئی کتاب، آباد گھر، اونچی چھت اور جوش مارنے والے سمندر، تو یہ پانچوں چیزیں مقسم بہ ہیں اور "اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ" مقسم علیہ ہے۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ قسم کو جواب قسم کے ساتھ کیا ربط و تعلق ہے اور مقسم بہ کو مقسم علیہ سے کیا مناسبت ہے

اور کس طرح ایک دوسرے کے لئے شہادت کا کام دے رہا ہے اس لئے ہم ربط کی تقریر کرنے سے پہلے یہ جتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا مصداق کیا ہے تاکہ پورے طور پر یہ معلوم کیا جا سکے کہ مذکورہ اشیاء سے اس دعوی پر کہ عذاب الٰہی کا واقع ہونا یقینی ہے اور جزاء عمل بھی ایک لازمی چیز ہے، کیونکر استدلال کیا جا رہا ہے اور شہادت کا مضمون کیا ہے۔ (۱) طور، اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر درخت اور سبزیاں اگتی ہیں اور جس پہاڑ پر سبزہ زار نہیں ہوتا، اس کو جبل کہا جاتا ہے بعض لغت والوں نے طور کو سریانی زبان کا لفظ بتلایا ہے، اس آیت کریمہ میں طور سے وہی پہاڑ مراد ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا اور اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا۔

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ	اور ہم نے موسیٰ کو کوہ طور کی سیدھی جانب سے پکارا
وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا	اور ہم نے انکو راز کی باتیں کرنے کے لئے مقرب بنالیا

یہی وہ کوہ طور ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ستر ممتاز آدمیوں کو نامزد کرکے لے گئے تھے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اپنے کانوں سے سن لیں اور جب وہ وہاں پہونچے اور اللہ کا کلام سننے پر اکتفار نہ کی بلکہ سرکشی کرنے لگے اور مطالبہ کیا کہ ہم محض کلام الٰہی سننے پر نہیں مانیں گے جب تک کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں گے، ان کے اس معاندانہ سوال پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا جس نے ان سب کو ہلاک کر ڈالا اس واقعہ کو ان آیتوں میں بیان کیا ہے۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا	اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے
لِمِيْقَاتِنَا فَلَمَّا اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ	مقررہ وقت کے لئے چن لئے پس جب ان لوگوں
رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِنْ قَبْلُ	کو زلزلہ نے آپکڑا تو موسیٰ نے عرض کی اے میرے
وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا	پروردگار تجھے یہ منظور تھا تو اس سے پہلے ہی توانکو
اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ	اور مجھ کو ہلاک کر دیتا کیا ہم میں سے چند بیوقوفوں کی حرکت

وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَاءُ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا	پر تو ہم سب کو ہلاک کر دیگا، یہ واقعہ تو بس تیری جانب سے
وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ	ایک آزمائش ہے (اس قسم کی آزمائشوں کے ذریعہ) تو
(سورۂ اعراف رکوع ۱۹)	جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جس کو چاہے ہدایت پر
	قائم رکھے تو ہی ہمارا مالک و متولی ہے پس ہم پر مغفرت
	اور رحمت فرما اور تو ہی سب معاف کرنیوالوں میں بڑا ہے

دوسری جگہ اس واقعہ کی یوں تفصیل کر دی ہے کہ ہلاک ہو جانے کے بعد دوبارہ حضرت موسیٰؑ کی درخواست پر ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا اور پھر وہ لوگ صحیح و سالم واپس لوٹ آئے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی	اور جب تم لوگوں نے کہا اے موسیٰ ہم محض تمہارے
اللّٰہَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ	کہنے پر ہرگز نہ مانینگے یہاں تک کہ ہم خود علانیہ اللہ تعالیٰ
تَنْظُرُوْنَ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ	کو نہ دیکھ لیں پس تم کو بجلی نے آ دبوچا اس حال میں کہ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ	تم (اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر ہم نے
(سورہ بقرہ رکوع ۶)	تمہارے مرجانے پر تم کو زندہ کر دیا تاکہ تم شکرگذار بنجاؤ)

اور جب بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات ملی تو انھوں نے آزادی کا سانس لیا اور ضرورت ہوئی کہ ان کی زندگی کے لئے کوئی دستور العمل دیا جائے، چنانچہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ سے اس بات کی درخواست کرنے لگے کہ آپ جناب باری سے دعا کیجئے کہ ہمیں کوئی قانون الہی عطا ہو تاکہ ہم اپنی زندگی اس کے مطابق بنالیں۔ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی جس پر ان کو حکم ہوا کہ تم کوہ طور پر آؤ اور چالیس راتیں اعتکاف و عبادت میں گزارو، چنانچہ مقررہ مدت گزرنے پر اللہ تعالیٰ نے توریت کا عطیہ فرمایا جب توریت کے اوامر و نواہی اور اس کے تفصیلی احکام کو بنی اسرائیل نے اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف پایا تو ان کی بجا آوری سے صاف انکار کر بیٹھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر کوہ طور معلق کر دیا کہ مان لو ورنہ یہ پہاڑ

گرا دیا جائے گا اور تم ہلاک کئے جاؤ گے، اسی سرگذشت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (سورہ بقرہ)

اور جب ہم نے تم سے (پابندی توریت کا) عہدو پیمان لیا اور ہم نے کوہ طور کو تمہارے اوپر اٹھا کر معلق کر دیا کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ لے لو اور جو (احکام) اس میں ہیں انکو یاد کرو تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ

ان واقعات و حوادثات کی بنا پر کوہ طور اس امر کی زبان حال سے شہادت دے رہا ہے کہ نافرمانی اور بدعملی کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے اور انسان اپنے اعمال کے نتائج و ثمرات اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔

۲۔ کتاب مسطور۔ سے کیا مراد ہے؟ اس میں متعدد احتمالات ہیں جن کی قرآن کے الفاظ سے تائید ہوتی ہے

(۱) کتاب مسطور سے انسانوں کی عملی زندگی کا وہ دفتر مراد ہے جس میں ان کی خیر و شر کے متعلق تمام حالات روزانہ درج ہوتے رہے ہیں اور جو قیامت کے روز محاسبہ اعمال کے لئے پیش کیا جائیگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا (سورہ اسراء رکوع ۲)

اور ہم نے ہر انسان کے عمل کو اس کے گلے کا ہار کر دیا ہے قیامت کے دن اس کا نامۂ اعمال اس کے واسطے نکال کر ہم سامنے کر دیں گے جس کو وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا

اور دوسری جگہ فرمایا ہے۔

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (سورہ تکویر) اور جب نامۂ اعمال کھول دیئے جائیں گے۔

اور قیامت کے احوال کے سلسلہ میں ایک مقام میں یوں ارشاد فرما رہا ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا (سورہ کہف رکوع ۶)

اور نامہ اعمال رکھ دیا جائیگا تو تم مجرموں کو اس سے جو کچھ اس میں ہوگا ڈرتے ہوئے دیکھوگے اور کہتے ہونگے ہم پر افسوس ہو اس نامہ اعمال کی بھی عجیب کیفیت ہے کہ کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا گناہ ایسا نہیں جو اس میں درج شدہ نہ ہو۔

(باقی)